OPEN ACCESS: Al Khadim Research Journal of Islamic Culture and Civilization
ISSN (ONLINE): 2710-0235 & ISSN (PRINT): 2710-0227
https://www.arjicc.com
DOI: https://doi.org/10.53575/arjicc.v3.02(22)u16.224-244

پاکستان میں رائج الوقت عائلی قوانین میں تبدیلی کے لئے محرکات ولائحہ عمل

Motivations and strategies for changing the current family laws in Pakistan

Dr. Nighat Akram
Assistant Professor, Department of Islamic Studies University of Poonch.
Email: nighatakram@upr.edu.pk

Majid Nawaz Malik
Department of Islamic Learning, Faculty of Islamic Studies, University of Karachi
Email: majidnawaz88@gmail.com

Received on: 16-05-2022 Accepted on: 18-06-2022

Abstract

Family law has been one of the most politically and socially queried issues in Muslim frameworks in the current period. This has had both positive and negative aspects. On the one hand, it has opened up the possibility of discussing matters and power relationships previously regarded as strictly belonging to the private circle but on the other hand most prevalent areas of discrimination against women in the Muslim world today is the inequality that occurs within the context of the family law. Throughout Muslim countries, Muslim women are fighting for reform of family laws to promote justice and equality within the family. This paper explores the demand for positive change in family laws and for the protection of rights, explaining ways in which equality and justice in the Muslim family have become increasingly possible .After citing examples of the vast diversities in legal systems and laws relating to families in Muslim countries, the paper outlines a variety of strategies used by activists to promote equality and justice in family laws. Available case studies demonstrate the challenges women today face within Muslim families and societies, and show how women and whole nations have come together to overcome these challenges by making legal and policy breakthroughs to better assurance justice and equality for all. All in all, these realities compel us to acknowledge that gender equality and justice in the Muslim family have become undeniable necessities and that, through educated political leadership, vibrant democratic processes, and the hard struggles of Muslim women and their supporters, their fulfillment is possible.

Keywords: Family law, Justice, equality, women, countries

عائلی قوانین اور قرآنی تعلیمات:

انسان مدنی الطبع ہے اور اسکی اجتماعی زندگی کی بقاء کے لئے قانون ناگزیر ہے۔ کسی بھی معاشرے میں رائج قوانین کے بیشتر مراحل میں سے مشکل یا نازک ترین قانون عائلی قانون ہے، کیونکہ اسکا تعلق اندرونِ خانہ اور اسکی اصلاح سے ہے۔ اسلام عملًا ایک کامیاب معاشرہ کی تشکیل کا خواہاں ہے، معاشرہ چونکہ مخلف افراد کے مجموعہ کا نام ہے۔ اسلئے افراد کی اصلاح کے بغیر کسی کامیاب معاشرے کا تصور ناممکن ہے۔ کسی معاشرے میں اگر لوگوں کو عائلی سکون میسر نہ ہو تو انکا ترقی کی جانب مبزول ہونا مشکل ہے اور ساتھ ہی گھریلو زندگی میں توازن قائم رکھنا

ممکن نہیں رہتا کیونکہ ہر گھر میں کمزور اور طاقتور دونوں طبقات موجود ہوتے ہیں لہذا طاقت کا توازن برقرار رکھنے کے لئے اور عائلی زندگی کی حد بندی کے لئے قوانین کی ضرورت ہوتی ہے، اور شارع نے اس ضرورت کا پوری طرح اہتمام کیا ہے۔

عائلی قانون شخصی و عائلی احکام میں نکاح و طلاق سے لے کر حقوق اولاد و والدین سب شامل ہیں، اس متحرک حیات میں توازن اور رشتے برقرار رکھنے کے لئے اور ہر ایک کو اپنی حدود میں مقید رکھنے کے لئے قانون ہی اہم ترین رکن ہے اور سماجی نظام کی بنیاد یہی عائلی قوانین ہوتے ہیں۔ افرادِ خانہ کے تعلق کی نوعیت، گھر کا نظم و نسق، اور خاندان کی تربیت و تشکیل، یعنی ایک چھوٹی سی دنیا کی داغ بیل انھی قوانین سے پڑتی ہے جو بعد میں پوری ایک سلطنت بن جاتی ہے۔

لکھتا ہے۔

Duncan

“Family law is the body of statues, rules, regulations and Practices related essentially to the development and organization of the fundamental social unit known as 'the family' and the legal relationship existing among its members”(1)

انسانی اجتماع کا اہم ترین ادارہ عائلی نظام ہے جو شادی کے بندھن سے تشکیل پاتا ہے۔ عائلی قوانین اس بندھن اور اس سے وابستہ تمام رشتوں کو مستحکم رکھنے کا کام کرتا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں بیان ہے کہ

“Some of the important questions dealt with in family law include the terms and parameters of marriage, the status of children, and the succession of property from one generation to the next, dissolution of marriages is one of the areas in which laws must try to balance private and public interest”.(2)

عائلی زندگی کا آغاز دو مختلف افراد کے مابین ہونے والے معاہدے، یعنی شادی سے ہوتا ہے۔ انسانی مزاج میں فرق فطری بات ہے۔ لہذا مختلف ماحول اور الگ الگ مزاج کے لوگ جب رشتہ ازدواج میں بندھتے ہیں تو نباہ کی پوری کاوش کے باوجود اختلافات کی بھی گنجائش رہتی ہے۔ اسلام نے عائلی ادارے کو آسودہ اور مضبوط رکھنے کے لئے، اصلاح کے لئے خوبصورت اصول دیے ہیں، تنازعات اور اختلافات کے حل کے لئے قوانین بنائے ہیں۔ مسلمان چاہے اسلامی ریاست میں آباد ہے یا اس سے باہر وہ دنیا میں کہیں بھی رہے وہ ان عائلی احکام کا پابند ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نماز، روزے کی طرح ان احکامات کی بھی تاکید بیان فرمائی ہے۔ قرآنِ حکیم میں مختلف مقامات پر عائلی احکامات بیان کرتے ہوئے انھیں حد بندی قرار دیا گیا ہے اور ان سے تجاوز کو ممنوع قرار دیا گیا ہے ایک جگہ تقسیمِ وراثت کے اصول بیان فرمائے اور ساتھ بیان فرمایا کہ:

"تِلْکَ حُدُودُ اللہِ وَمَن یُطِعِ اللہَ وَرَسُولَهُ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِن تَحْتِہَا الأَنْہٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیہَا وَذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْم "(3)

"یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں۔ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اسے اللہ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ان باغوں میں وہ ہمیشہ رہے گا اور یہی بڑی کامیابی ہے"

اس کے بعد فرمایا:

"وَمَن يَعْصِ اللّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَاراً خَالِداً فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ" (4)

"اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کی گئی حدوں سے تجاوز کرے گا، اسے اللہ جہنم کی آگ میں ڈالے گا، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن سزا ہے"۔

قرآنِ حکیم میں عائلی احکام مثلاً نکاح، طلاق، وراثت، وصیت سب تفصیلات بیان ہیں البتہ حالات وضروریات کے مطابق تبدیل ہونے والے احکام کے بنیادی آصول و قوائد وضع کئے، جبکہ انکی تفصیل اور تشریع ہر زمانے کے علماء و مجتہدین اپنے وقت کے مطابق کریں گے، اور وہ امور جو زمان و مکان سے متغیر نہیں ہوتے انکے احکام مفصلاً بیان کر دیے گئے ہیں

ازدواجی زندگی کے بارے میں قرآن کا فرمان ہے۔

"وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ" (5)

(خدا کی حکمت کی نشانیوں میں ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمھارے لیے تم ہی میں سے جوڑے پیدا کر دیے ہیں یعنی مرد کے لیے عورت اور عورت کے لیے مرد لیکن خدا نے ایسا کیوں کیا؟'' اس لیے کہ انسان کی زندگی میں تین چیزیں پیدا ہو جائیں جن تین چیزوں کے بغیر انسان ایک مطمئن اور خوش حال زندگی حاصل نہیں کر سکتا وہ تین چیزیں یہ ہیں: سکون، مودت اور رحمت)

رشتہ ازدواج کے بعد عائلی زندگی کا اہم فریضہ اولاد کی اچھی تربیت ہے جس پر اسلام نے بہت زور دیا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

”كل مولود يولد فهو على الفطرة، وإنما أبواه يهودانه أو ينصرانه.“(6)

”ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے وہ فطرت دین الٰہی پر قائم ہوتا ہے یہ اسکے والدین ہیں جو اسکو یہودی اور نصرانی بناتے ہیں لہذا اسلام نے اولاد کی فکری، اخلاقی اور معنوی تربیت کی بابت وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اسی طرح والدین کے حقوق کی بابت فرمایا:

"طاعة الله طاعة الوالد و معصية الله معصية الوالد"(7)

اللہ کی اطاعت کی تکمیل والد کی اطاعت میں ہے اور اللہ تعالی کی نافرمانی والد کی نافرمانی میں ہے۔"

تعظیم و توقیر: قول و فعل کے ذریعہ والدین کی توقیر انکا واجبی حق ہے حتی کہ انکے سامنے اُف کر دینے میں انکی بے حرمتی اور انکے ساتھ بدسلوکی ہے

"وَقَضَى رَبُّكَ أَلاَّ تَعْبُدُواْ إِلاَّ إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلاَهُمَا فَلاَ تَقُل لَّهُمَآ أُفٍّ وَلاَ تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيم" (8)

اور تمہارے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔ اگر ان میں سے ایک یا

دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تواُن کواُف تک نہ کہنااور نہ انہیں جھڑکنااوراُن سے بات ادب کے ساتھ کرنا۔

اسکے بعد اہم ترین معاملہ تقسیمِ میراث کا ہے جسکی بابت بالکل واضح احکام مقرر کردیے گئے ہیں

میراث کی تقسیم، وارثوں کے حصے، حصوں کی حکمت، میراث سے قرض کی ادائیگی، وصیت پوری کرنے اوراس حکم پر عمل کرنے والوں کے لیے جنت کی خوش خبری اوراس کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لیے دوزخ کے دردناک عذاب کی وعید سورۃالنساءآیت ۱۱تا۱۴میں بیان کی گئی ہے۔

اسلام کا قانونِ وراثت اور حکمتِ تقسیم:

اسلامی شریعت رب العالمین کا بنایا ہوا قانون ہے، جو انسان کی فطرت کو سب سے زیادہ جانتا ہے اور اس نے انسانوں کی فلاح کے لئے ہی قوانین وضع کئے ہیں۔ دیگر قوانین کی طرح شریعتِ اسلامیہ نے مسئلہ وراثت کو بھی مفصلاً بیان فرمایا کہ میت کے ترکہ کو کس طرح برتا جائے۔ اسلام کے قانون، وراثت کی حکمت و مصلحت، عدل و انصاف اور توازن و اعتدال کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب اسکا موازنہ دوسرے مذاہب وادیان اور دیگر اقوام کے نظامِ وراثت سے کیا جائے۔

علامہ ابو بکر جصاصؒ زمانہ جاہلیت میں وراثت کی تقسیم کے طریقہ کار کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اہلِ جاہلیت دو چیزوں کی بنیاد پر وراثت کے حقدار ہوتے تھے۔ایک نسب دوسرا سبب، بہر حال نسب کے ذریعے جو لوگ وراثت کے حق دار ہوتے تھے۔ان میں نہ تو چھوٹے بچے وارث ہوتے اور نہ عورتیں بلکہ وہ لوگ وارث ہوتے تھے جو گھوڑوں پر سوار ہو کر لڑائی کرسکیں اور مالِ غنیمت حاصل کرسکیں"(9)

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف مشرق بلکہ مغرب میں بھی طویل عرصہ تک عورت معاشرے کا بے وقعت وجود بنی رہی ہے۔اسلام کا ظہور دیگر کئی تبدیلیوں کے ساتھ حقوقِ نسواں کا داعی بھی بنا اور خواتین کو وراثت سے لے کر عائلی اور خانگی زندگی تک ایک مکمل و مربوط نظام مہیا کیا۔ابتدائی دور اسلام میں وراثت کا طریقہ تقسیم دورِ جاہلیت کے نظام کے تحت رہا، مگر جلد ہی اسلام نے اس نظامِ تقسیم کو مسترد کرتے ہوئے اپنا عادلانہ نظام اور مکمل اصول وضوابط مقرر کر دیے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوا۔

" لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا" (10)

"اور جو مال ماں، باپ اور قریبی رشتے دار چھوڑ کر مر جائیں تھوڑا ہو یا بہت ان میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کے بھی حصے اللہ کے مقرر کئے ہوئے ہی"۔

دوسری آیۃ میں مزید وضاحت کردی

يُوْصِيْكُمُ اللهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۔لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ "۔(11)

"اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں کہ ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔"

ام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اہل جاہلیت تمام مال لڑکوں کو دیتے تھے اور لڑکیاں خالی ہاتھ رہ جاتی تھیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان کا حصہ بھی مقرر کر دیا البتہ دونوں کے حصوں میں فرق رکھا، اس لئے کہ مردوں کے ذمہ جو ضروریات ہیں وہ عورتوں کے ذمہ نہیں، مثلاً: اپنے متعلقین کے کھانے پینے، اخراجات کی کفالت، تجارت اور کسب اور اسی طرح کی دیگر مشقتیں۔ تو انہیں ان کی حاجت کے مطابق عورتوں سے دوگنا دلوایا"۔(12)

امام فخر الدین رازی کے مطابق "کہ عورت کے اخراجات کم ہیں کیونکہ اس کا خرچ اس کا شوہر برداشت کرتا ہے اور مرد کے اخراجات زیادہ ہیں کیونکہ اسے اپنے بیوی بچوں پر خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے اسے مال کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے "(13)

شاہ ولی اللہ کا قول ہے

"حقوق کی حفاظت وحمایت مردوں کا کام ہے اور مرد کو کئی ایک موقعوں پر خرچ کرنا پڑتا ہے وہ ہمیشہ مصارف کے زیر بار رہتے ہیں۔ اس لیے مناسب اور قرین صواب یہی ہے کہ میراث میں انھی کو زیادہ مستحق سمجھا جائے"(14)

ڈاکٹر اسرار احمد اس بابت بہت وضاحت سے بیان کرتے ہیں۔

"اسلام معاشی کفالت کا تمام تر بوجھ مرد کے کندھوں پر ڈالتا ہے اور انہی جسمانی ساخت، توانائیوں اور صلاحیتوں کے لحاظ سے وہی اس کو اٹھانے کے قابل ہے لہذا وراثت میں عورت کے مقابلے میں اس کا دوہرا حصہ رکھا گیا ہے۔ بیٹی کو جو کچھ ملے گا وہ اسے بیوی کی حیثیت سے لے کر شوہر کے گھر چلی جائے گی اور یہ اس کی ذاتی ملکیت ہو گی۔ پہلے سے اگر شادی شدہ ہے تو اس کو یہ ورثہ ذاتی طور پر مل جائے گا۔ اس کی اپنی کفالت شوہر کے ذمے ہے، لہذا ماں باپ سے ملنے والا ورثہ اس کی ذاتی ملکیت کی حیثیت سے رہے گا اس لیے منطقی وعقلی طور پر دیکھا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ بیٹی کو بیٹے سے نصف حصہ دیا جائے گا۔ معاصر علماء وفقہاء کی آراء کے مطابق عورت کا حصہ مرد سے آدھا اس کی جسمانی کمزوری اور عقلی صلاحیتوں کی کمی کی وجہ سے ہر گز نہیں ہے جیسا کہ متقدمین اور چند معاصر علماء خیال کرتے ہیں۔ بلکہ یہ نقطہء نظر آج کل کے دور میں درست ثابت نہیں ہوتا جہاں خواتین زندگی کے ہر شعبے میں مردوں کے شانہ بشانہ صلاحیتوں کا لوہا منوا چکی ہیں"(15)

گویا یہ اسلامی قانونِ وراثت کی منفرد شان ہے کہ اسکے ذریعے حقوق و ذمہ داریوں کے درمیان توازن پیدا کیا گیا ہے اور اسی کے مد نظر مردوں کا حصہ دگنا رکھا گیا ہے۔ مرد پر عورت کی کفالت اور اس پر خرچ کی ذمہ داری نافذ کر دی گئی جبکہ عورت پر ایسی کوئی ذمہ داری نہیں ۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

" الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ "(16)

"مرد حاکم (وسرپرست) ہیں عورتوں پر اسلئے کہ اللہ نے بعض کو بعض پر برتری دی ہے،اور اسلئے کہ وہ مال سے خرچ کرتے ہیں۔"

ایسی صورت میں جائداد کی بر بر تقسیم مرد کے حق میں نااں صافی ہو جاتی، لہذا ہر مسلمان کے لئے یہ بات قابل فخر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس قدر متوازن نظام بنایا اور ہر ایک کے حقوق کی حفاظت کی۔اسی توازن واعتدال کے پیشِ نظر مرنے والے کے ترکہ میں سب سے پہلے اسکی تجہیز و تکفین کے بعد اس پر واجب الادا قرض کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔

" مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَى بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ "(17)

"اس وصیت کے بعد جو کی گئی ہو، یا ایسے قرضے کے بعد جو ادا کرنا ہو، بغیر کسی کو نقصان پہنچانے۔"

اسلام طبقاتی تناو وتضاد کے خلاف اور سماجی انصاف کا خواہاں ہے لہذا معاشی ومالیاتی قوانین میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ سرمایہ چند ہاتھوں تک نہ محدود رہے سرمیہ چند ہاتھوں تک نہ محدود رہے اور نہ یہ معاشرے کے افراد کے درمیان دوری کا باعث بنے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

"ماآ أَفَآءَ اللهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ أَہْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِیْ الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ وَمَاآتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا،وَاتَّقُوا اللهَ، إِنَّ اللهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ "(18)

جو بھی کچھ اللہ نے ان بستیوں کے لوگوں سے لوٹادیا اپنے رسول کی طرف تو وہ حق ہے اللہ کا،اس کے رسول کا اور رشتہ داروں یتیموں مسکینوں اور مسافروں کا تاکہ وہ (مال) تمہارے مال دار لوگوں کے درمیان ہی گردش کرتا نہ رہ جائے اور جو بھی کچھ رسول تمہیں عطا فرمائیں اسے لے لیا کرو اور جس سے وہ تمہیں روکیں اس سے رک جایا کرو اور (ہمیشہ) ڈرتے رہا کرو اللہ سے، بیشک اللہ بڑا ہی سخت عذاب دینے والا ہے"۔

اس عدل وانصاف پر مبنی گوشوں اور میدانوں میں اہم ترین میدان ترکہ کی تقسیم ہے جسکی روشنی میں میت کے ترکہ کو وارثین کے درمیان تقسیم کیا جاتا ہے۔

پاکستان کا قانونِ وراثت او تقسیم وراثت کی عملی صورتِ حال:

پاکستان میں رائج قانونِ وراثت کی بابت ابھی تک ابہام پایا جاتا ہے، کیونکہ ایک طویل عرصہ تک یہاں کوئی یکساں قانون رائج نہ ہو سکا اور نظامِ وراثت مسلم قانون کے بجائے زیادہ تر رواجوں پر انحصار کرتا رہا ہے۔ یہاں حقوقِ نسواں پر مبنی پہلا بل 1948 میں منظور ہوا اور 1951 سے اسے نافذ العمل کیا گیا۔ بعد ازاں مزید پیشرفت ہوئی اور قانون برائے تحفظِ نسواں ایکٹ 2004 منظور ہو جس میں خواتین کے استحصال، حدود آرڈیننس، جبری، قرآن سے شادی، ونی کے قوانین میں اصلاحات کے ساتھ حق وراثت سے محرومی کی صورت میں باقاعدہ سزائیں تجویز کی گیئں۔2012 میں بھی مزید اصلاحات کی گئیں، جس میں ریونیو آفیسر کو پابند کیا گیا کہ زمین کے مالک کی وفات کی صورت میں فوری وراثت کی منتقلی کا عمل شروع کردے اور اسکا آغاز نادرہ ب فارم کے ریکارڈ کے مطابق کرے۔ کی

"1962 کے مسلم شخصی شریعت ایکٹ نے مسلمانوں کے لیے بہت سے معاملات بشمول وراثت میں مسلم قانون کا نفاذ کیا۔اس قانون نے

اور ۱۹۳۵ء کے شریعت ایکٹ کو منسوخ کر دیا اور نئے قانون کا نفاذ ہوا۔ ۱۹۶۲ء کے قانون کے نفاذ کے بعد بھی وراثت کے حوالے سے رواجی قانون کی صورتحال یکسر تبدیل نہ ہوئی کیونکہ ۱۸۷۲ء کا پنجاب لاء ایکٹ نافذ تھا جس کی دفعہ پانچ کے تحت وراثت خاندانوں میں جہاں رواج کا سلسلہ چلا آرہا تھا ان کے لیے وراثت و جانشینی میں ایک حد تک رواج کا اطلاق رہا۔ لیکن ۱۹۸۳ء میں سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بینچ نے پنجاب لاءز ایکٹ کی دفعہ پانچ کو کالعدم قرار دے دی"(19)

بعد میں وقتاً فوقتاً اصلاحات کی جاتی رہی ہیں اور اسلام کے جاری کردہ احکامات کے مطابق وراثتی قوانین بھی بنائے گئے مثلاً میت کے ترکہ میں بیوہ، اور بیٹی کا اسلام کا طے کردہ تناسب رکھا گیا لیکن ان سب قوانین کی موجودگی کے باوجود عورت کے استحصال میں خاطر خواہ کمی واقع نہ ہو سکی اور آج بھی معاشرے، میں عورت کی وراثت کے حوالے سے صورتِ حال کافی افسوس ناک ہے زیادہ تر حیلوں بہانوں سے انکی جائیداد ہتھیالی جاتی ہے یا بخشوالی جاتی ہے صرف 5 فیصد ایسی خواتین ہیں جنکو منقولہ وغیر منقلہ دونوں قسم کی جائیداد میں سے حقِ وراثت مل پاتا ہے۔

"اسلام اور قانون عورت کے حق وراثت اور حق جائیداد و ملکیت کو تسلیم کرتے ہیں مگر پاکستان میں عملی صورت تحال اس سے بالکل مختلف ہے۔ برادری میں یہی کوشش ہوتی ہے کہ کاروبار اور کارخانے وغیرہ تو اولاد نرینہ کو ملیں اور بیٹیوں کو جہیز دے دو۔ گزشتہ سالوں میں کی گئ زرعی اصلاحات میں زمین کی زیادہ سے زیادہ ملکیت کی حد مقرر کی ہے۔ سرکاری حد سے زیادہ زرعی زمینوں کو حکومت کے حوالے کرنے سے بچانے کے لیے خاندان کی عورتوں کے نام کر دیا جاتا ہے۔ جاگیر دار اور زمیندار لوگ تو حیلے بہانے سے اپنی لڑکیوں کی شادیاں خاندان سے باہر کرتے ہی نہیں کہ کہیں جائیداد خاندان سے باہر نہ چلی جائے۔ ان کی دیکھا دیکھی عام لوگوں نے بھی اپنی بہنوں بیٹیوں کو وراثت سے محروم کرنا شروع کر دیا ہے"(20)

"عورتوں کے حقوق کے حوالے سے کام کرنے والے ادارے کی رپورٹ کے مطابق پنجاب میں عورتوں کی وراثت کی عملی صورتحال کچھ یوں ہے کہ اگر صرف لڑکیاں ہی وارث ہوں تو غیر منقولہ جائیداد عورتوں کے نام نہیں کی جاتی۔ زمین چچا کے قبضے میں رہتی ہے۔ ملتان اور بہاولپور کے علاقوں میں "حق بخشوانا" لڑکیوں کی شادی نہ کرنا اور قرآن سے شادی کر دینا تاکہ جائیداد خاندان سے باہر نہ جائے۔ بہن کو زبردستی بھائیوں کے حق میں جائیداد سے دستبردار کرالیا جاتا ہے"(21)

"پنجاب میں لڑکی کو لڑکے کی موجودگی میں کوئی حصہ نہیں دیا جاتا۔ سیالکوٹ اور ارد گرد کے دوسرے اضلاع میں جائیداد کا اصل وارث لڑکا ہوتا ہے لیکن لڑکیوں کو جہیز کے نام سے باپ نے جو کچھ علیحدہ رکھا ہو وہ دے دیا جاتا ہے"(22)

"سندھ کے علاقوں میں عمومی طور پر عورت کو جائیداد میں حصہ نہیں دیا جاتا۔ عورت کا جہیز ہی اس کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔ اردو بولنے والے خاندانوں میں بیٹیوں کو بھاری جہیز وراثت کے نام پر دیا جاتا ہے اور اگر عورت کو حصہ بھی دیا جاتا ہے تو عورت اس سے عموماً دستبردار ہو جاتی ہے۔ تھر کے علاقے میں عورت وراثت لے سکتی ہے۔ جاگیر دار خاندانوں میں "حق بخشوانا" کی رسم پر عمل کیا جاتا ہے۔ عورتوں کو اراضی کی وراثت سے محروم رکھا جاتا ہے بعض حالات میں نقدی یا پھر گھر دیا جاتا ہے۔ سندھی بیوہ عورت کو بچوں کے حق میں زبردستی وراثت سے

دستبر دار کرایا جاتا ہے "(23)

"سندھ میں قرآن سے شادی جیسا مکروہ فعل متبرک خیال کیا جاتا ہے۔ لڑکی قرآن سے شادی کے نام پر لڑکی سے نکاح کا حق بخشوا لیتے ہیں تاکہ جائیداد خاندان سے باہر نہ جائے۔ اس طرح لڑکی تمام عمر مایوسانہ زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتی ہے "(24)

سرحدی علاقوں میں عورتوں کو عام طور پر غیر منقولہ جائیداد میں حصہ نہیں دیا جاتا۔ ڈیرہ اسماعیل خان، مردان، صوابی میں کہیں کہیں بیٹیوں کو منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد میں حصہ دیا جاتا ہے۔ بعض جگہوں پر زیورات اور گھریلو ساز و سامان بیٹیوں بہنوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ لڑکوں کی موجودگی میں عورتیں زمین کی وارث نہیں بن سکتیں "(25)

"پختون روایت میں زمین عزت کے تین بنیادی ستون میں سے ایک ہے۔ لہذا یہ خاندان سے باہر نہیں جاسکتی۔ اسی سوچ کے تحت جائیداد بیٹیوں کے حوالے نہیں کی جاسکتی "(26)

"بلوچستان میں بیواؤں کی جائیداد ہتھیانے کے لیے انہیں سسرال میں ہی کسی سے دوبارہ شادی کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے "(27)

"کچھ ایسی روایات موجود ہیں کہ جائیداد کی بجائے بہنوں کو دوسرے طریقوں سے جائیداد کی تلافی کی جاتی ہے مثلاً پنجاب میں "نانک" کی روایت ہے جہاں بھائیوں سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ بہن کی بیٹی کے جہیز کا انتظام کرے یا کم از کم تمام عمر بھانجے، بھانجیوں کو تحفے، تحائف دیتا رہے اور ان کی پرورش میں بہن کی مدد کرے۔ کوہستان میں اس روایت کو "پالنا" کہتے ہیں۔ اس کے تحت بھائی اپنی بہنوں کے بچوں کو پیسے دیتے ہیں "(28)

مشہور ماہر قانون اور عورتوں کی سماجی کارکن رشیدہ پٹیل لکھتی ہیں کہ "وارث ہونے کے اسلامی قانونی حق سے مسلمان عورت کو اس سبب سے محروم رکھا جاتا ہے کہ وہ قانونی ضابطے جو مسلمان متوفی کی املاک کے بندوبست سے تعلق رکھتے ہیں، غیر اطمینان بخش ہیں۔ متوفی کی جائیداد بغیر کسی عدالتی کاروائی کی طرف رجوع کئے ورثاء میں تقسیم ہو سکتی ہے۔ جہاں کہیں قرضوں یا اثاثوں کی وصولیاتی کا سوال ہوتا ہے، منقولہ اثاثوں کے لیے ایک صداقت نامہ وراثت اور جہاں غیر منقولہ جائیداد ہے قانونِ وراثت بابت ۱۹۲۵ء اہتمام ترکہ کے پروانے حاصل کرنا پڑتے ہیں۔ عام طور پر متوفی کے اثاثے مرحوم کے مرد ورثاء کی نگرانی اور قبضے میں ہوتے ہیں اور خواتین ورثاء کو ان اثاثوں کے وجود یا جگہ تک کا پتہ نہیں ہوتا۔ اثاثے عموماً بغیر کسی عدالتی کاروائی کئے تقسیم کر لیے جاتے ہیں۔ جب ورثاء میں جھگڑے پیدا ہوتے ہیں تو اہتمام ترکہ کی نالش دائر کی جاسکتی ہے۔ لیکن اثاثوں سے ناواقفیت، اسٹامپ ڈیوٹی، مقدمہ بازی کے خرچ اور طوالت عدالت تک جانے پر عورتوں پر انگلیاں اٹھنے لگتی ہیں، اس کی وجہ سے بھی خاتون کو جسے وراثت سے محروم رکھا گیا ہے، عدالت تک جانے سے باز رکھتے ہیں "(29)

ان تمام عملی بے اعتدالیوں کی بنیادی وجہ قانون سازوں کی دانستہ یا نادانستہ غفلت قرار دی جاسکتی ہے۔ پارلیمنٹ میں موجود زمینداروں اور سرمایہ داروں کو بذات خود اپنے حق میں یہی بہتر لگتا ہے کہ اس قانون کو مبہم ہی رکھا جائے۔ چنانچہ قانون سازی کے وقت ایسا رخنہ دانستہ چھوڑ دیا جاتا ہے کہ عملی طور پر وہ قانون عضو معطل بن کہ رہ جاتا ہے۔ نیز یہ بھی ایک معاشرتی المیہ ہے کہ بہنوں کی جائداد پر بھائی قابض ہو

جاتے ہیں اور جائداد میں سے حصہ مانگنے والی عورت کو نہایت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، ان پر میکے کے دروازے تک بند کر دیے جاتے ہیں لیکن اگر قوانین سازی میں چند نکات شامل کر لئے جایئں تو کسی حد تک ان تمام کوتاہیوں کا سدِ باب ممکن ہو سکتا ہے۔ مشرقی معاشرے میں عورت کے مسائل کا بڑا سبب معاشی خود کفالت کا فقدان ہے۔ موجودہ وقت میں، پر اعتماد زندگی گزارنے اور اولاد کی بہترین تعمیر کے لئے ضروری ہے کہ عورت کو معاشی تحفظ میسر ہو اور اسکو معاشی طاقت مہیا کرنے کے لئے جائیداد میں اس کی شرکت لازمی ہے خواتین کا حقِ وراثت اسلامی شریعہ اور قوانین کا اہم باب ہے، اسلامی فقہ کے اندر اس ضمن میں گرانقدر اصلاحات کی گئی ہیں مگر انکے عملی نفاذ کے لئے چند اصلاحات کی ضرورت ہے۔

سفارشات وتجاویز:

ہمارے ہاں عائلی قوانین میں بنیادی سقم یہ ہے کہ عورت اپنے حق کے لئے عدالت کا رخ کرے گی اسکے بعد تمام قانونی عمل متحرک ہوگا، یہی سب سے نازک پہلو ہے کہ پاکستان جیسے معاشرے میں جہاں عورت زبان سے اپنی حقِ ملکیت کا مطالبہ کرنے تک کی جرت نہیں کر سکتی وہاں عدالت کا دروازہ کیسے کھٹکھٹائے اور طویل عرصہ تک عدالت کی پیشیوں کا حصہ کیسے بنے چنانچہ یہاں ایسی قانون سازی کی ضرورت ہے کہ بناء کسی درخواست و قانونی کاروائی کے عورت کو اسکا حصہ مل جائے۔

ایک خصوصی محکمہ یا اتھارٹی قائم کی جائے جو صرف تقسیم وراثت میں خواتین کے لیے خدمات سرانجام دے

ہر یونین کونسل میں ایک نمائندہ انہی معاملات کو نمٹانے کے لئے تعینات کیا جائے، وہ نمائندہ یونین کونسل ونادرہ سے اموات کی دستاویزات حاصل کرے۔ اس نمائندے کو ایف بی آر محکمہ مال اور متعلقہ محکموں جو جائداد اور اثاثہ جات کی تفصیلات رکھتے ہیں تک رسائی حاصل ہو۔ جونہی کسی شخص کی وفات کا اندراج ہو وہ نمائندہ فوری طور پہ اس شخص کے اثاثہ جات اور ورثاء کی تفصیل مجاز اتھارٹی کو مہیا کرے۔

اور ایک قانونی اتھارٹی ہو جو خود کار طریقے سے وراثت کی تقسیم کا عمل بروئے کار لائے۔

اسطرح عورت گھر بیٹھے باعزت طریقے سے وراثت و جائیداد میں اپنا جائز اور قانونی حق حاصل کر سکے گی اور معاشرے میں اسکا احترام بھی قائم رہے گا۔ بجا طور پہ یہ اقدام عورت کو معاشی طور پہ خود کفالت کی منزل سے ہمکنار کرنے کا سبب بنے گا۔

اسلام کا قانونِ طلاق:

انسان کی فطری زندگی کے لئے نکاح کی اہمیت مسلم ہے اور یہ تمام انبیاء علیہم السلام کی مشترکہ سنت بھی ہے۔ اسلام کی نظر میں نکاح ایک مضبوط شرعی بندھن ہے جسکا ہمیشہ باقی رہنا مطلوب وپسندیدہ ہے چنانچہ میاں، بیوی دونوں کو ایک دوسرے کے شرعی حقوق پورے کرنے کی سخت تاکید کی ہے۔ شریعت میں نکاح سے مراد عقد ہے جس کے معنی گانٹھ یا گرہ لگانے کے ہیں- چونکہ عورت اور مرد نکاح کے ساتھ ایک بندھن میں باندھ دیئے جاتے ہیں اس لئے نکاح کو عقد سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

"وَعَاشِرُوہُنَّ بِالمَعرُوف، فَان كَرِہتُمُوہُنَّ، فَعَسیٰ أن تَكرَہُوا شَيئًا، وَہُو خَيْرٌ لَّكُم"(30)

ترجمہ: ''اُن عورتوں کے ساتھ اچھی گذر بسر کرو اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں، تو ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور خدا اُس کے اندر کوئی بڑا فائدہ رکھ دے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"استَوصُوا بالنِّسَاء خَيْرًا، فإنَّهُنَّ خُلِقنَ مِن ضلع، وان أعوجَ شَيء فِي الضّلع أعلاه، فان ذَهَبتَ تُقِيمُه، كسرتَه، وان تَركتَه، لم يزل أعوج، فاستوصُوا بالنِّساء".

عورتوں کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو؛ اس لیے کہ اُن کی پیدائش مرد کی پسلی سے ہوئی ہے اور پسلی میں اوپر کا حصہ سب سے زیادہ ٹیڑھا ہوتا ہے اور اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو، تو ٹوٹ جائے گی اور اگر چھوڑ دو گے، تو ٹیڑھی ہی رہ مذکورہ تفصیلات سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ نکاح ایک شرعی پائیدار معاہدہ ہے؛ لہٰذا سخت ضرورت کے بغیر اُس کو ختم کرنا یا ختم کرنے کا مطالبہ کرنا اسلام میں ناجائز و ممنوع اور نکاح کے بنیادی مقصد اور اسلامی منشا کے خلاف ہے، اسی معاہدے کو ختم کرنے کا نام دوسرے لفظوں میں ''طلاق'' ہے۔ احادیث میں بلاضرورت اس کا اقدام کرنے پر ناپسندیدگی ظاہر کی گئی ہے، ایک حدیث میں ہے:

''اللہ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے''

نکاح ایک دائمی رشتہ کا نام ہے، اسلام کا اصل منشا اس رشتہ کو باقی اور قائم رکھنا ہے؛ اسی لیے بلاضرورت اس رشتہ کو توڑنے کی سخت مذمت بیان کی جاچکی ہے؛ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بسا اوقات میاں بیوی کے درمیان حالات خوش گوار نہیں رہتے، آپس کی نااتفاقیاں پیدا ہوجاتی ہیں، دونوں میں نبھاؤ مشکل ہوتا ہے، ایسی صورت میں بھی اِسلام نے جذبات سے مغلوب ہوکر جلد بازی میں فوراً ہی اس پاکیزہ رشتہ کو ختم کرنے کی اجازت نہیں دی؛ بلکہ میاں بیوی دونوں کو مکلف بنایا کہ وہ حتی الامکان اس بندھن کو ٹوٹنے سے بچائیں؛ چنانچہ عورت کی طرف سے نافرمانی کی صورت میں مردوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے:

"والّٰتِیْ تَخَافُونَ نُشُوزَہُنَّ فَعِظُوہُنَّ وَاہْجُرُوہُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوہُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَکُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَیْہِنَّ سَبِیلًا" (31)

اس آیت کے ذریعے قرآن نے آپس کی خلفشار اور انتشار کو ختم کرنے کے تین طریقے بیان کیے ہیں:

(۱) اگر عورت کی نافرمانی کا خطرہ ہو، تو حکمت اور نرمی کے ساتھ پہلے اُس کو سمجھانے کی کوشش کی جائے۔

(۲) اگر سمجھانا موثر نہ ہو، تو عارضی طور پر اُس کا بستر الگ کردیا جائے۔

(۳) اگر دوسری صورت بھی مفید ثابت نہ ہو اور عورت اپنی عادت پر قائم رہے، تو کچھ زجر و توبیخ اور ہلکے درجہ کی سرزنش سے کام لیا جائے۔

اور مردوں کی طرف سے کسی قسم کی بدسلوکی کے وقت عورتوں کو یہ ہدایت ہے:

"وَإِنِ امْرَأَۃٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِہَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْہِمَا أَنْ یُصْلِحَا بَیْنَہُمَا صُلْحًا" (32)

''کسی عورت کو اگر اپنے شوہر کی بدسلوکی سے ڈر یا اُس کی بے اعتنائی سے شکایت ہو، تو میاں بیوی کے لیے اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ

آپس میں ایک خاص طور پر صلح کر لیں“

لیکن اگر تعلقات اسقدر خراب ہو جاہیں کہ اسکے بعد بھی صلح کی کوئی گنجائش نہ رہے تو پھر بھی فوراً رشتہ نکاح توڑنے کی اجازت نہیں دی گئی بلکہ میاں، بیوی دونوں کو اپنی طرف سے اپنے خیر خواہوں پر مشتمل حکم (ثالثی پنچ) مقرر کرنے کو کہا گیا تاکہ دونوں حکم اختلافات کا جائزہ لینے کے بعد ایمانداری اور انصاف کو مدِ نظر رکھتے ہوئے معاملات حل کرنے اور صلح کرنے کی کوشش کریں۔ ارشاد باری ہے:

"وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا " (33)

مذکورہ تفصیل سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ میاں بیوی کے درمیان نااتفاقی اور ناخوش گوار حالات کے مسئلہ کا ابتدائی حل طلاق دینا نہیں ہے ؛ بلکہ اختلاف کے اسباب کو تلاش کر کے اُس پر روک لگانا ہے۔

پاکستان کے مسلم فیملی آرڈیننس 1961 میں بھی زوجین کے لئے مصالحت کا ذکر ہے مگر اسمیں مصالحت طلاق کے بعد کرنے کو کہا گیا ہے۔ آرڈیننس کی دفعہ 7 کی ذیلی دفعہ 4 میں کہا گیا ہے کہ۔

"طلاق کے نوٹس کے تیس دن کے اندر، چیئرمین فریقین میں مصالحت کرنے کی غرض سے ایک ثالثی کونسل تشکیل دے گا اور یہ ثالثی کونسل مذکورہ صلح کرانے کے لئے تمام اقدامات کرے گی"(34)

حالانکہ قرآن کے مطابق مصالحت پہلے ہونی چاہیے نہ کہ بعد، مولانا مفتی محمود لکھتے ہیں کہ

"قرآن کریم کی ہدایت کے مطابق صلح کا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ اگر زوجین میں نزع ہو جائے تو طلاق سے قبل ایک حکم ادھر سے اور ایک ادھر سے لے لو اگر وہ اصلاح کا ارادہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ ان میں موافقت پیدا کرے"(35)

مفتی تقی عثمانی نے آرڈیننس پر تبصرہ یوں کیا ہے کہ

"آرڈیننس میں طلاق کے بعد ثالثی کے ذریعے مصالحت کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور قرآنِ کریم نے طلاق سے پہلے مصالحت کی فکر کرنے کو کہا ہے۔"(36)

جب حالات یہاں تک پہنچ جائیں کہ طلاق دینے ہی میں شوہر اور بیوی دونوں کے لیے راحت ہو، اس کے بغیر دونوں کے لیے خوشگوار زندگی گذارنا ممکن نہ ہو، تو ایسی حالت میں بھی شریعت نے مرد کو آزاد نہیں چھوڑا کہ جس طرح چاہے اور جتنی چاہے طلاق دیدے ؛ بلکہ اس کے حدود اور ضابطے طے کیے، جن سے اسلام کے قوانین کی جامعیت اور اُن کا فطرت کے عین مطابق ہونا خوب واضح ہوتا ہے۔

چنانچہ طلاق دینے کا صحیح اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ

(۱) شوہر، بیوی کو صاف اور واضح الفاظ میں طلاق دے جیسے ”میں نے تجھے طلاق دی“۔

(۲) شوہر بیوی کو مکمل پاکی کی حالت میں طلاق (اُس کو ماہواری نہ آرہی ہو اور اُس پاکی کے زمانے میں صحبت نہ کی گئی ہو، ؛ کیونکہ ماہواری کے

دوران طلاق دینا گناہ ہے اور اگر صحبت کرنے کے بعد طلاق دی جائے گی، تو ممکن ہے کہ حمل ٹھہر جانے کی وجہ سے اُس کی عدت لمبی ہو جائے، جو عورت کے لیے مشقت اور پریشانی کا سبب ہے۔)

یہ ایک نہایت بہترین طریقہ طلاق ہے اور اگر اس پر پوری طرح عمل پیرا ہونے کی کوشش کی جائے تو بہت سے مسائل پیدا ہی نہ ہو پائیں کیونکہ عام طور پر وقتی غصہ اور عارضی تکلیف ہی طلاق کا باعث بنتے ہیں اور عجلت میں کیا گیا یہ فیصلہ بعد میں پچھتاوا بن جاتا ہے، پھر دونوں فریق پریشان ہوتے ہیں، دوبارہ ازدواجی زندگی بحال کرنے کی خواہش بھی رکھتے ہیں۔ اور اگر سوچ سمجھ کر طلاق دی گئی ہو، تو بھی مذکورہ طریقہ کے خلاف اختیار کرنے میں مختلف قسم کی پریشانیاں پیش آتی ہیں۔ ان دشواریوں کا حل یہی ہے کہ بدرجۂ مجبوری صرف ایک طلاق دی جائے تا اس لیے کہ ایک طلاق دینے کی صورت میں شوہر کے لیے عدت کے اندر اندر ہی رجوع (یعنی: دوبارہ نکاح کے بغیر بیوی کو اپنے نکاح میں واپس لینے) کا اختیار رہتا ہے۔ اور اگر شوہر نے عدت کے اندر رجوع نہیں کیا، تو عدت گذرنے کے بعد بیوی اگرچہ اُس کے نکاح سے نکل جاتی ہے تو لیکن دونوں کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ نئے سرے سے دوبارہ نکاح کرنے کی گنجائش رہتی ہے، اس صورت میں حلالۂ شرعی شرط نہیں۔ اسی طرح اگر عورت علیحدی چاہتی ہے تو اسکے لیے بھی صلح کی تما کوششیں کرنے کے بعد جب نباہ کی کوئی صورت نہ رہے تو عورت تت علیحدگی کا مطالبہ کرے گی جسے خلع کہا جاتا ہے۔

علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں:

"خلع کا فلسفہ یہ ہے کہ خلع عورت کے اختیار میں اس لئے رکھا گیا ہے کہ مرد کے اختیار میں طلاق ہے، چنانچہ جب عورت کو مرد کی طرف سے کوئی تکلیف ہو تو اس کے اختیار میں خلع ہے اور جب مرد کو عورت کی طرف سے تکلیف ہو تو شارع نے اسے طلاق کا اختیار دیا ہے"۔(37)

پیر محمد کرم شاہ الازہری نے لکھا ہے:

"عورت حاکم وقت کے پاس خلع کا مطالبہ کرے اور حاکم پہلے اُن کی مصالحت کی کوشش کرے گا، اگر کامیابی نہ ہو تو خاوند نے عورت کو مہر میں جو کچھ دیا تھا، حاکم اسے لے کر خاوند کو واپس کردے اور اس کے درمیان تفریق کرادے یہ خلع ہے"(38)

پاکستان میں قانونِ طلاق و عملی صورتِ حال:

موجودہ وقت میں خاندان کا سب سے اہم مسئلہ طلاق ہے، کیونکہ اب پاکستان میں بھی مغربی دنیا کی طرح گھروں کے ٹوٹنے کی رفتار تیز ہو گئی ہے گزشتہ دو دہائیوں میں اس شرح میں خطرناک حد تک اضافہ ہوا ہے صرف سٹی کورٹ کراچی میں اس سال تقریباً پندرہ ہزار طلاق کے کیسز دائر کیے گئے۔ ماضی کے مقابلے میں بڑھتی ہوئی طلاق کی شرح خطرناک حد تک پہنچ کر ایک سماجی مسئلہ بن چکی ہے اور یہ مسئلہ ہمارے خاندانی نظام کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہا ہے محض نصف دہائی میں ضلعی حکومتوں کے پاس رجسٹر ہونے والے کیسز 56 فیصد تک بڑھ گئے ہیں۔

"عداد و شمار کے مطابق سال 2012 سے 2017 کے درمیان پنجاب کے 36 اضلاع میں خلع یا طلاق کے 4 لاکھ 78 ہزار 130 کیسز رجسٹر ہوئے ہیں، جن میں 20 فیصد صرف فیصل آباد اور لاہور کے اضلاع سے رپورٹ ہوئے ہیں۔ پنجاب کے 36 اضلاع سے سال 2012 میں

63ہزار7سو34 ، سال2013میں 69ہزار1سو26،سال 2014میں74ہزار6سو19،سال 2015میں77ہزار3سو27 ،سال 2016میں93ہزار5سو7اور سال2017میں99ہزار5سو99جوڑوں نے علیحد گی اختیار کی"(39)

پاکستان میں اگر عدالتوں پر نظر ڈالی جائے تو وہاں دائر مقدمات طلاق و خلع ساتھ ہی سامان جہیز کی واپسی، نان و نفقہ ، بچوں کی حضانت جیسے مسایئل پر روزانہ کی بنیاد پر سو سے زائد کیسز کی سماعت ہوتی ہے۔ مجودہ حالات میں یہ صورتِ حال خاص توجہ کی متقاضی ہے۔ کیونکہ طلاق کے بعد بلاشبہ متاثر تو مرد بھی ہوتا ہے مگر پاکستان جیسے معاشرے میں مرد کافی حد تک آسودگی سے نئی زندگی کا آغاز کر دیتا ہے مگر عورت کو بہت سنگین مسائل کا سامنا کرناپڑتا ہے وہ ان گنت سماجی، قانونی، مالی اور نفسیاتی مسائل میں پھنس کر رہ جاتی ہے۔ گھر کا شیرازہ بکھرنے کے بعد خود کو سمیٹ کر اپنے حق کے لئے ،اپنے دفاع میں اسے جو قانونی چارہ جوئی کا طریقہ اختیار کرناپڑتا ہے وہ نہایت تکلیف دہ ہے۔ اکثر و بیشتر تو خواتین کے مالی مسائل انھیں عدالتوں کا رخ کرنے کی اجازت ہی نہیں دیتے اور اگر اس تک رسائی کی ہمت ہو بھی جائے تو عدالتی کاروائی اتنی کٹھن و تکلیف دہ ہوتی ہے کہ وہ خود ہی اپنے حقوق سے دستبرداری میں ہی عافیت سمجھتی ہیں۔

لاہور بار کے صدر نے خود اعتراف کیا ہے کی "اذیت پسند شوہر اپنی بیویوں کو اذیت دینے کے لئے حربے استعمال کرتے ہیں لیکن عدالتیں اس حوالے سے تیزی سے اقدامات نہیں کرتیں"(39)(40)

ایک معاشرتی المیہ یہ بھی ہے کہ کہ شادی کے موقع پر دلہن کو دیا جانے والا جہیز اور تحائف جو سابقہ شوہر ک گھر یا اسکے والدین کی تحویل میں ہوتے ہیں۔ طلاق کے وقت عموما لڑکی غم کی حلات میں بے یار و مددگار ہی گھر سے نکلتی ہے تو اپنا سامان ساتھ تو لا سکتی۔ بعد ازاں جب اس سامان کے حصول کے لئے عدالت سے رجوع کرتی ہے تو طویل عدالتی کاروائیوں کا سامنا کرناپڑتا ہے، گواہیاں، فہرستیں، رسیدیں اور نہ جانے کیا کیا طلب کیا جاتا ہے کہ تنگ آکر خواتین اپنا حق چھوڑ دیتی ہیں۔

مسعود احمد بھٹہ لکھتے ہیں:

"طلاق کے بعد زوجین کے سامان کی واپسی کا معاملہ شرعی اور قانونی لحاظ سے اہم اور نازک ترین ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ طلاق کا اسلامی رویہ اپنانے کی بجائے، طلاق بدعت کے رویے اختیار کر کے عورت کے اثاثہ جات اور سامان جہیز، تحائف پر جبرا قبضہ کرنے کی طرف توجہ کی جاتی ہے۔ اور عورت سے احسان کے قرآنی حکم کو بھی درخو اعتناء تصور نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ قرآن کا طلاق دیئے جانے کی صورت میں حکم یہ کہ وہ چیزیں جو تحائف کی صورت میں یا بری کی صورت میں بیوی کو دے چکا ہے، وہ چیزیں واپس نہ لی جائیں۔ بلکہ اسے احسان کے طور پر عورت کے پاس رہنے دیا جائے ۔ تاکہ اس کی آئیندہ زندگی کے لئے دلجوئی کا سبب بنے"(40)

اسے معاشرتی المیہ ہی کہا جائے گا کہ بجائے احسان کو ساتھ عورت کو رخصت کرنے کے، جسکی ہمارے مذہب نے ترغیب دی ہے، الٹا عورت کے سامان جہیز پر بھی قبضہ کر لیا جاتا ہے اور اسے اپنے ہی مال کی واپسی کے لئے عدالتوں کے چکر لگانے اور اسکو درست ثابت کرنے میں زمانے بیت جاتے ہیں یہاں تک کہ خبث کی بنیاد پر وہ سارا سامان خرد برد کر دیا جاتا ہے یا پھر نار کارہ ہو جاتا ہے۔ مزید ستم یہ کہ اکثر اوقات عورت کجو

جھوٹا ثابت کرنے اور شکست دے نے کے لئے اسکی شخصیت، کردار و حیثیت کو بھی مجروع کیا جاتا ہے۔ایسے اقدامات قابل مذمت ہیں اور شیطانی افعال شمار ہونگے۔

ہماری عدالتوں میں عائلی مسائل کے حوالے دائر مقدمات میں پیچیدگیاں، وطوالت اور حصول انصاف میں تاخیر کی وجہ سے خواتین کے بے شمار نفسیاتی، مالی، و جزباتی ماسئل کا سامنا ہے۔اسکے علاوہ طلاق وخلع یا تنسیخِ نکاح میں زوجین کی مصالحت کے لئے جو اقدامات اختیار کئے جا رہے ہیں ان میں بھی ان میں بھی بہت سے قانونی و تکنیکی سقم موجود ہیں جنکے باعث معمولی تنازعات کی سورت میں بھی طلاق وخلع کی ڈگریاں تقسیم ہو رہی ہیں۔۔لہذ بہتر یہ ہے کہ اعدالتی طریقہ کار کو طلاق وخلع کی ڈگریاں جاری کرنے کا ادارہ ہی تصور نہ کیا جائے بلکہ ولایت عامہ کا اختیار رکھتے ہوئے انہیں معاشرے کے وسیع تر مفاد کو مد نظر رکھتے ہوئے ان مقدمات کے فیصلے نہایت حساسیت، باریک بینی سے کرنا چاہیے اور ایسی عدالتی اصلاحات متعارف کروانی چاہئیں جن سے حتی الامکان کوشش مصالحت کروانے کی ہونی چاہیے۔عدالتی طریقہ کار کو جدید سائنسی بنیادوں پر استوار نہ کرنے کے باعث بھی بہت سے مسائل پیدا ہوئے ہیں لہذا قوانین وضع کرنے،ان کا نفاذ یقینی بنانے کے ساتھ ساتھ سماجی مفادات ، تعمیر واصلاح کو بھی ملحوظ رکھا جائے نہ کہ صرف معاملہ مقدمات کی نبٹانے تک محدود رہے۔

سفارشات وتجاویز:

ماہر قانون منیر صاحب تجویز کرتے ہیں کہ :

"عدالت میں فیملی ججز اور فریقین کے مابین راؤنڈ ٹیبل ڈسکشن ہونی چاہیے۔فریقین کے مابین تنازعات اس سے بہتر انداز میں حل ہو سکتے ہیں کیونکہ فریقین ایک دوسرے پر الزامات لگاتے ہیں کہ ان کے خاندان والے معاملات کو زیادہ الجھاتے ہیں اور اگر فریقین آپس میں صلح کرنا بھی چاہتے ہیں تو ان کے خاندان والے ایسا کرنے سے منع کرتے ہیں۔اور رکاوٹ بنتے ہیں۔عدالتی امور میں ان طریقہ کار کے استعمال سے زوجین میں صلح کروائی جا سکتی ہے"(41)

ایک ایسے ملک میں جہاں طلاق، خلع اور نان نفقہ دینے یا نہ دینے سے متعلق ہزاروں مقدمات مٹھی بھر عائلی عدالتوں میں زیرِ سماعت ہیں اور جس مقدمے کا فیصلہ تین سے چار سماعتوں میں ہو سکتا ہے وہ برسوں پر محیط ہو جائے وہاں اصلاح احوال کی توقع بھی کیسے کی جا سکتی ہے، لہذا سب سے بنیادی ضرورت یہ ہے کہ مقدمات میں بلا وجہ کی طوالت کا خاتمہ کیا جائے۔

عدالت میں مقدمہ دائر ہونے سے پہلے ضروری قرار دیا جائے کہ یونین کونسل یا مصالحتی انجمن اس تنازعہ کے حل کے لئے فریقین میں مصالحت یا معاملات کے حل کی کوشش کروائے۔اس پلیٹ فارم پر ناکامی پر مقدمات عدالت میں دائر کئے جائیں۔اس اقدام کا فائدہ یہ ہو گا کہ عدالت میں دائر مقدمات کی تعداد کم ہو گی

مصالحتی کونسل یا یونین کونسل کی سطح پر عائلی معاملات کے حل میں خواتین کو کافی سہولت رہے گی۔انہیں عدالتی طریقہ کار سے بھی نجات حاصل ہو گی اور معاشی بار بھی نہیں ہو گا، معاملات جلد حل ہوں گے۔نیز بہت سی خواتین عدالت میں جا کر اپنے خانگی معاملات پر بحث

کرتے ہوئے جھجک محسوس کرتی ہیں اور مقدمات کی ذاتی طور پر پیروی کرنے سے گھبراتی ہیں۔اس اقدام سے انکے اسطرح کے مسائلکا بھی ازالہ ممکن ہو سکے گا۔

عائلی عدالتوں میں خاندان کے ذاتی، کریمنل، سول اور دیگر مقدمات بھی پیش کئے جاتے ہیں۔عدالت کا ماحول خاندانی اور خصوصا زوجین کے مقدمات کے حوالے سے ان کی نجی معاملات کے بارے میں انہیں تحفظ فراہم نہیں کرتا، چنانچہ بہت سے خاندان اپنی عزت و وقار کی وجہ سے عدالت کا رخ نہیں کرتے اور اپنے حقوق حاصل کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔اس سلسلے میں عائلی عدالتوں میں صرف نکاح، طلاق، حلالہ، فسخ نکاح، خلع اور بچوں کی حضانت کے معاملات ہی کو زیر سماعت لایا جائے، نیز خاندان کی حیثیت و وقار کا تحفظ کرتے ہوئے مقدمات کی سماعت تک دوسرے غیر متعلقہ افراد کی رسائی کو روکا جائے۔اور احاطہ عدالت میں صرف متعلقہ خاندان ہی اپنے مقدمہ کی سماعت کے دوران موجود ہوں اور دیگر کا داخلہ ممنوع قرار دیا جائے۔

مہر کے اسلامی احکام اور پاکستان میں عملی صورتِ حال:

مہر بوقتِ نکاح عورت کو مہیا کی جانے والی مالی منفعت ہے۔حکمِ باری تعالیٰ ہے۔

" وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِين "(42)

انکے سواسب عورتیں تم پر حلال کر دی گئی ہیں تاکہ تم اپنے اموال کے ذریعے طلبِ نکاح کرو پاک دامن رہتے ہوئے، نہ کہ شہوت رانی کرتے ہوئے۔

احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں کم سے کم مہر کی مقدار دس درہم ہے،اس سے کم مہر نہیں۔حضرت جابر رضی اللہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا

"لا مهر دون عشرة درهم"(43)

دس درہم سے کم مہر نہیں ہے۔

دس درہم سے مراد موجودہ کاغذی کرنسی ہر گز نہیں بلکہ آپ ﷺ کے دور کی مقرر جنس یا مالیت ہے

محمود طاہراس بابت لکھتے ہیں

“The actual property value of ten dirham s or 500 dirhams of 1500 years before should properly be valued at the present currency .A new ijtihad may be created regarding the minimum amount of dower considering all relevant factors.”(44)

انھوں نے مزید وضاحت اسطرح کی ہے کہ

“In old day’s dirham was a silver coin of Arabia and plural word dirhams in Arabic usage often signified money or cash without referring to coin of any particular number, while the figure 10 was a symbolic figure, standing for a respectable amount.

Ten dirham before did not mean an exact amount with any arithmetical accuracy, it is infect stood for what we can call a reasonable amount."(45)

تاہم کم سے کم مقدارِ مہر مقرر کر دی گئی ہے مگر زائد مقدار شرعاً مقرر نہیں۔ ہر فرد کی حیثیت کے مطابق جتنا چاہے مہر مقرر کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر نے اپنے دور میں مہر کی انتہائی مقدار مقرر کرنا چاہی تو ایک عورت نے آواز اٹھائی کہ مندرجہ ذیل آیۃ کی رو سے آپکو ایسا کرنے کا کوئی حق نہیں:

" وَإِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلاَ تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا"(46)

"اگر تم ایک بیوی سے دوسری بدلنا چاہو اور اگر تم اسے ڈھیروں مال دے چکے تب بھی اس میں سے کچھ واپس مت لو، کیا تم ظلم و دہشت کے ذریعے یہ مال واپس لے لوگے "

اس پر حضرت عمر نے اپنی تجویز واپس لیتے ہوئے فرمایا

" ان امرأ ة خاصمت عمر، فخصمته"(47)

ایک عورت نے عمر سے بحث کی اور وہ اس پر غالب آگئی۔

لہذا مہر کی زیادہ سے زیادہ کوئی مقدار مقرر نہ ہوئی۔

گو کہ مہر کی زیادتی اگر مطلوب و پسندیدہ ہوتی تو خود رسول کریم کی ازواج مطہرات اور آپ کی صاحبزادیوں کا مہر زیادہ ہوتا حالانکہ بالعموم ازواج مطہرات کا مہر ساڑھے 12 اوقیہ چاندی (5 سو درہم کم و بیش ڈیڑھ سو تولہ چاندی) سے زیادہ نہ تھا۔ ازواج مطہرات میں صرف حضرت اُم حبیبہ کا مہر 4 ہزار درہم تھا، جسے آپکی طرف سے شاہ حبش نجاشی نے ادا کیا تھا۔ حضرت فاطمہ کا مہر بھی 5 سو درہم ہی تھا۔

پاکستانی معاشرے میں مہر کی بابت کافی افراط و تفریط پائی جاتی ہے، جنکے پاس گنجائش ہے وہ فخر کے طور پر بھاری بھر کم مہر مقرر کر دیتے ہیں، اسی طرح لڑکے والے بیش بہا جہیز کا مطالبہ کرتے ہیں تو جواب میں لڑکی والے زیادہ مہر مقرر کرنے پر جوابی اصرار کرتے ہیں اور سب سے قابلِ افسوس صورت تو یہ ہے کہ مہر کی ادائیگی کا رجحان ہی بہت کم پایا جاتا ہے۔ اکثر لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ مہر اس وقت دیا جاتا ہے، جب اللہ نہ کرے طلاق کی نوبت آجائے۔ بہت سی عورتیں بھی مہر لینے یا اس کا مطالبہ کرنے کو معیوب سمجھتی ہیں بلکہ شوہر مہر دینا چاہے تو بعض یہ خیال کرتی ہیں کہ شوہر انھیں اپنے سے جدا کرنا (طلاق دینا) چاہ رہا ہے۔ بہت سے نوجوان ایسے ہیں جن کا ارادہ مہر دینے کا ہوتا ہی نہیں وہ نکاح میں مہر کی تعیین کو ایک رسمی عمل سمجھتے ہیں۔ اس لئے اپنی حیثیت سے زیادہ مہر پر بھی آمادہ ہو جاتے ہیں کہ مہر دینا کسے ہے؟ بعض لوگ مہر کی ادائیگی کا ارادہ رکھتے بھی ہوں تو ادائیگی میں ٹال مٹول اور لاپروائی سے کام لیتے ہیں حالانکہ یہ دوسرے قرضوں کی طرح ایک قرض ہے۔ بعض لوگ دباؤ ڈال کر معاف کرا لیتے ہیں، اگر وہ زور زبردستی نہ بھی کریں تو بسا اوقات عورتیں اس خیال سے بادل ناخواستہ معاف کر دیتی ہیں کہ مہر ملنے والا تو نہیں، اگر معاف نہ کروں تو تعلقات میں بدمزگی نہ پیدا ہو جائے، جاننا چاہئے کہ ان سب صورتوں میں حقیقتاً مہر معاف نہیں ہوتا، وہی معافی معتبر ہے جو عورت مکمل اپنی مرضی و خوشی سے معاف کرے۔ بعض جگہ یہ رواج بھی پایا جاتا ہے کہ شوہر کا اگر انتقال ہو جائے تو

اس کا جنازہ گھر سے نکالنے سے قبل گھر والے بیوی سے مہر کی معافی کا اقرار کرواتے ہیں، جس کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں۔ وراثت کی تقسیم سے پہلے شرعاًبیوی کا مہرادا کیا جائے گا کیونکہ وہ شوہر کے ذمہ قرض ہے اور قرض کی ادائیگی وراثت کی تقسیم پر مقدم ہوتی ہے۔ الغرض مہر بیوی کا شرعی حق ہے، اسے اعتدال کے ساتھ اور حیثیت کے مطابق مقرر کرنا چاہئے، غلو اور اظہار تفاخر کسی طرح درست نہیں، پھر اسے نکاح کے موقع پر ہی یا جتنا جلد ہو خوش دلی سے ادا کر دینا چاہئے، ٹال مٹول اور عدم ادائیگی، بیوی پر ایک طرح سے ظلم وزیادتی ہے۔

عموما ہمارے ہاں حق مہر شادی کے موقع پر ادا نہیں کیا جاتا ، بعد میں مرد حضرات اکثر اوقات یہ حق بخشوا لیتے ہیں، اگر عورت نے یہ حق معاف نہیں کیا تو ایسے میں طلاق ہونے کی صورت میں عورت عدالت سے اپنے اس حق کی ادائیگی کے لئے رجوع کرتی ہے۔ تاہم ایسا اسی صورت میں ہوتا ہے جب مہر کی رقم زیادہ ہو تبھی عورت انصاف کے حصول کے لئے عدالت کے دروازے پر جاتی ہے۔ اور اکثر اوقات یہ عدالتی سفر اتنا طویل اور تھکا دینے والا ہوتا ہے کہ عورت کو دستبردار ہی ہونا پڑتا ہے۔

لہذا عائلی قوانین کے اندر اس ناانصافی کے ازالے کے لئے بھی کچھ قوانین ضروری ہیں

عائلی قوانین کے زیرِ نگرانی فری ہیلپ لائن کا قیام عمل میں لایا جائے ، جہاں خواتین اپنے مختلف مسائل و مشکلات کی رپورٹ درج کرواسکیں اور ان کا مسائل حل فوری طور پر ممکن ہو سکے۔

حاصلِ کلام:

مذہبِ اسلام نے خواتین کو مردوں کے برابر زندہ رہنے کا حق، وراثت کا حق، اقتصادی طور پر خود کفیل ہونے کا حق، فیصلہ سازی کا حق، اور اظہارِ رائے کی آزادی کا حق دے کر معاشرہ کی اہم فرد کا درجہ دیا اور اسے ترقی کے تمام مواقع عطا کیے۔ لیکن مسلم معاشرہ نے گذری صدیوں میں اپنے فکر و عمل میں تبدیلی سے اسلام کے دیے گئے اس ماڈل کو یکسر بدل کر رکھ دیا ہے۔ اسلام کے معاشرتی نظام نے بدلتے وقت کے تقاضوں سے جڑنے اور اس سے خود کو ہم آہنگ کرنے کی آزادی سے مرد و خواتین دونوں کو سرفراز کیا اور ''صنفی مساوات'' کی بنیاد پر دنیا کو '' پائدار ترقی'' کا تصور دیا۔ پاکستان جو اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آیا تھا لہذا یہاں خواتین کو اسلامی نظام کے مطابق انصاف فراہم کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً قوانین بھی بنائے گئے مگر عملی صورتِ حال ابھی بھی حوصلہ شکن ہے۔ آج بھی اس معاشرے میں خواتین بنیادی و شرعی حقوق سے محروم ہیں، حقِ وراثت، خلع و طلاق جیسے مسائل سے دوچار ہیں۔ فیملی کورٹس کے ہزاروں مقدمات، یا دارالقضاۃ میں موجود طلاق و خلع کے سینکڑوں ریکارڈز ہمارے معاشرے کے انتشار و خاندانی نظام کی بنیادوں میں دراڑ کی نشاندہی کر رہے ہیں۔

اگرچہ گزرے وقت میں پاکستان کے عائلی قوانین کئی اقدامات اختیار کئے گئے ہیں۔ اسکے باوجود مختلف رپورٹس اور اعداد و شمار کا تجزیہ پاکستانی خواتین کی زبوں کی حالی تصویر دکھاتا ہے۔ جس تصویر کو دیکھ کر ذہن سوال اٹھاتا ہے کہ جب اسلام میں خواتین کے بنیادی حقوق کے واضح قوانین موجود ہیں اور پاکستان کے عائلی نظام کے مطابق خواتین کو اسلام کے عطا کردہ دستوری و قانونی تحفظات، حقوق و مراعات حاصل ہیں، پھر کیوں یہ تمام عملی کوششیں رائیگاں ثابت ہو رہی ہیں؟ اور کیوں پاکستان میں آج بھی عدل و انصاف میں کمی دکھائی دے رہی ہے۔ گویا اس

ضمن میں ابھی بھی غور و فکر اور عائلی قوانین میں تجویز کردہ اصلاحات کی اشد ضرورت ہے۔

حوالہ جات

(1.)Duncan, J. Bloy, Family Law, Black stone Press,1987,P.11)

(2) The new encyclopedia Britannica, Vol,32

3۔سورہ النساء،13:4

4۔۔سورہ النساء،14:4

5۔سورۃ الروم:21:30

6۔ صحیح البخاری ۱۳۵۸

7۔الطبرانی/مجمع الزوائد،ج:8،ص:136

8۔سورۃ الِاسراء،23:17

9۔بو بکر جصاص،الرازی الحنفی،احکام القرآن،دار الحیاء تراث العربی،بیروت لبنان ۱۹۹۱، ۷۵:۲

10۔سورۃ النساء 7:4

11۔سورۃ النساء 11:4

12۔ابنِ کثیر،ابوالفداء،عماد الدین، تفسیر القرآن العظیم، سہیل اکیڈمی،لاہور،1982،459:1

13۔فخر الدین رازی،التفسیر الکبیر،دار المکتب العلمیہ،بیروت،لبنان،۲۰۰۰،۱۶۱:۵

14۔شاہ ولی اللہ، حجۃ البالغہ،(مترجم مولانا عبدالرحیم) قومی کتب خانہ،لاہور ۱۹۸۳ء، ۵۱۵:۲

15۔ڈاکٹر اسرار احمد،اسلام میں عورت کا مقام،مکتبہ جدید شارع فاطمہ جناح،لاہور،:۱۱

16۔سورۃ النساء،34:4

17۔سورۃ النساء،12:4

18۔الحشر،59:7

19۔۱۹۸۴ء، سپریم کورٹ ۱۹۸۳ء سپریم کورٹ،PLS934، ۲۷۳ ق 19PLD۔،

20۔رشیدہ پٹیل، پاکستانی عورت کی سماجی و قانونی حیثیت، کل پاکستان انجمنِ خواتین،اپوا، کراچی ۱۹۸۱ء،:۲۷۰،

21۔رابن ہوی،ڈاکٹر مبشر الحق،اسلامی سماج، کونسل برائے فروغِ اردو زبان دہلی،۲۰۰۱ء،۲۵۸

22۔ڈکٹر امیر فیاض، مسلمان عورت اور یورپی سازشیں، میڈیا سروسز منگورہ، سوات،۲۰۰۵ء،:91

23۔ارشاد احمد پنجابی،پنجاب کی عورت،ادارہ تخلیقات پاکستان،لاہور ۱۹۷۶ء،:1595

24۔محبت حسین اعوان،اسلام، قانون اور مظلوم پاکستانی عورت،:85

25۔امیر فیاض، مسلمان عورت اور یورپی سازشیں میڈیا سروسز منگورہ، سوات ۲۰۰۵ء،91)

26۔شرکت گاہ، عورت قانون،اور معاشرہ، شرکت گاہ لاہور،1996،210

27۔ محبت حسین اعوان، اسلام، قانون اور مظلوم پاکستانی عورت، 87

28۔ ایضاً

29۔ پاکستانی عورت کی سماجی و قانونی حیثیت، :۱۷۔ 270

30۔ نساء، 4:۱۳

31۔ النسا، 34:4

32۔۔ النساء، 128:4

33۔ النساء، 35:4

34۔ مسلم عائلی قوانین آرڈیننس، (اردو ترجمہ، نمبر 8، مجریہ 1961، دفعہ 7، ذیلی دفعہ 4، ص۔ 15

35۔ مولانا، مفتی محمود، ترجمان القرآن، ص 492

36۔ (مفتی محمد تقی عثمانی، ہمارے عائلی مسائل، دارالاعشاعت، کراچی، 1414ھ، ص 129

37۔ علامہ ابن رشد مالکی بدایۃ المجتہد: 68/2، مطبوعہ مصر 1379ھ (

38۔ ضیاء القرآن، جلد اوّل ص 158، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ لاہور، طبع 1402

39۔ (روزنامہ جنگ ۸ مئی ۲۰۱۵

40۔ (مسعود احمد بھٹہ، حیات النساء، (عورت کی زندگی مناکحات کے بعد) لاہور، آہن ادارہ اشاعت و تحقیق، پاکستان، ص: ۶۸۸

(41) Muhammad Amir Munir, Family Courts in Pakistan In Search of better Remedies for Women and Children, p: 209 http://www.ssrn.com/en/, Retrieved on 24-06-2017)

42۔ النساء، 34:4

43۔ بیہقی، السنن الکبری، 215:7، رقم، 13760

44. Mahmood, Tahir, The family law of India, 3rd ed, 2002,lixesNexis,Butterworths, New Delhi, p.68

45. Ibid

46۔ النسا، 20:4

47۔ عبدالرزاق، المصنف، 180:6، رقم 104420

References

1.Duncan, J. Bloy, Family Law, Black stone Press,1987,P.11)
2 The new encyclopedia Britannica, Vol,32
3- Sura al-Nissa, 13:4
4. Surah al-Nissa, 14:4
5- Surah Al-Rum: 21:30
6- Sahih al-Bukhari1358
7- Al-Tabarani/ Jama al-Zawaid, vol. 8, p. 136
8- Surah Al-Isra , 23:17
9- Boubakar Jassas, al-Razi al-Hanafi, Ahkam al-Qur'an, Dar-ul-Hayya Tarath al-Arabi, Beirut, Lebanon , 1991 , 2:75
10- Surah Al-Nissa 4:7

11- Surah Al-Nissa 4:11
12- Ibn Kathir, Abu al-Fida, Imad al-Din, Tafsir al-Qur'an al-Azim, Suhail Academy, Lahore, 1982, 459:1
13- Fakhr-ud-Din Razi, Al-Tafseer al-Kabir, Dar-ul-Maktab al-Ilmiyyah, Beirut, Lebanon, 2000 , 5:161
14- Shah Waliullah, Hujjat-ul-Laba Lagha, (translated by Maulana Abdul Rahim) National Library, Lahore, 1983, 2:515
15- Dr. Israr Ahmed, The Place of Women in Islam, Maktaba Jadid Shara Fatima Jinnah, Lahore, 11
16- Surah Al-Nissa, 34:4
17- Surah Al-Nissa, 12:4
18- Al-Hashr, 59:7
191984 -, Supreme Court1983Supreme Court, 934PLS , 273; ,
20- Rashida Patel, Social and Legal Status of Pakistani Women, All Pakistan Anjuman-e-Mahila, Upwa, Karachi, 1981, 270,
21- Robin Hoy, Dr Mubashir-ul-Haq, Islamic Society, Council for Promotion of Urdu Language, Delhi, 2001, 258
22- Dr. Amir Fayyaz, Muslim Women and European Conspiracies, Media Services Mangora, Swat, 2005, :91
23- Irshad Ahmad Punjabi, Woman of Punjab, Institute of Creations Pakistan, Lahore , 1976, 1595
24. Love Hussain Awan, Islam, Law and oppressed Pakistani women, 85
25- Amir Fayyaz, Muslim Woman and European Conspiracies Media Services Mangora, Swat2005, 91)
26- Participation Hall, Women's Law, and Society, Participation Hall, Lahore, 210, 1996
27- Muhabat Hussain Awan, Islam, Law and Oppressed Pakistani Women, 87
28- edict
29- Social and Legal Status of Pakistani Women, 71. 270
30- Nisa, 4:13
31- Nisa, 34:4
32 Al-Nissa, 128:4
33- Al-Nissa, 35:4
34- The Muslim Family Laws Ordinance, (Urdu Translation, No. 8, Majriya, 1961, Section 7, Sub-Section 4, p. 4) 15
35- Maulana, Mufti Mahmood, Spokesman-ul-Quran, p. 492
36- (Mufti Muhammad Taqi Usmani, Our Family Problems, Dar-ul-Ishaat, Karachi, 1414 AH, p. 129)
37- Allama Ibn Rushd Maliki Badayah al-Mujtahid: 2/68, Egypt 1379AH)
38- Zia-ul-Quran, Vol. 1, p. 158, Zia-ul-Quran Publications, Ganj Bakhsh Road, Lahore, Volume 1402
39- (Daily Jang May 8, 2015)
40- (Masood Ahmad Bhatta, Hayat-un-Nissa, (After The Life of a Woman) Lahore, Ahan Institute of Publications and Research, Pakistan, p. 688
(41) Muhammad Amir Munir, Family Courts in Pakistan In Search of better Remedies for Women and Children, p: 209 http://www.ssrn.com/en/, Retrieved on24-06-2017)
42- Al-Nissa, 34:4
43- B. Yahaqi, al-Sunan al-Kubra, 215:7, Amount, 13760
44. Mahmood, Tahir, The family law of India, 3rd ed, 2002,lixesNexis,Butterworths, New Delhi, p.68
45. Ibid
46- Al-Nissa, 4:20
47- Abdul Razzaq, Al-Musnif, 180:6, 104420